

Saas Ka Keisa Insaf

[’اس مرلے کا یہ گھر ، جس کے ایک طرف کمرے ، آگے برآمدہ اور بڑا سا صحن تھا اور اس پر مکمل طور پر نصرت بیگم کی اجارہ داری تھی۔ اولاد پر تو رعب تھا ہی، اب دونوں بہوؤں کو بھی خوب ہی دبا کر رکھا ہوا تھا۔ مجال تھی جو ان کے کسی کام میں کوئی کوتاہی ہو ، وقت پر ناشتہ ، کھانا اور استری شدہ کپڑے ، ان کے اپنے اصول ، قاعدے اور قانون تھے جو اتنے ہی دونوں بہوؤں کو از بر کروا دیتے گئے تھے۔ لیکن ان سے چوک تو تب ہوئی جب تیسری بہو گھر آئی۔ ان کی اکلوتی بہن کی نازوں پلے بیٹھی ، جس کے ساتھ ٹرک بھر کر جہیز آیا تھا – دونوں نندوں کو سونے کے سیٹ ، نصرت بیگم کو جڑاؤ کننگن اور بھابیوں کو بیروں کے ٹاپس روشن کو امریکہ کا ویزا ۔ حالانکہ روشن نے شروع میں بڑا ہنگامہ مچایا تھا کہ وہ اتنی صحت مند ، گول مٹول سی ائمہ سے قطعاً شادی نہیں کرے گا لیکن نصرت بیگم کے سامنے اس کی ایک نہیں چلتی تھی۔ امریکہ میں پلی بڑھی ہے خالص خوراکیں کھا کر جوان ہوئی ہے یہاں کی لڑکیوں جیسی مرلے نہیں ہے – یہ صاف ٹائید اور بھابی کی ا سمارٹ نیس پر چوٹ کی گئی تھی۔ ماں وہ مجھ سے دو انچ لمبی بھی ہے۔ لیکن بصیرت بیگم اس کا ایک بھی اعتراض خاطر میں نہ لائی تھیں – اور اب روشن اپنی بیوی کے آگے پیچھے ہوں گھوم رہا تھا کہ سب گھر والے حیران تھے – چونچلے تھے کہ ختم ہونے کو ہی نہ آ رہے تھے۔ ٹائید شادی والے گھر کا پھیلاوا سمیٹ سمیٹ کر تنگ آ چکی تھی۔ اس گھر میں تو لگتا ہے بس ایک میں ہی میزبان ہوں۔ باقی سب مہمان آئے ہوئے ہیں۔ صبح سے کام کر کر کے کمر اکڑ گئی – کبھی یہ تو کبھی وہ – فرمائشوں کی لمبی لسٹ پر کوئی ماتھے پہ سجا کہ گھوم رہا ہے۔ ٹائید نے (xaxa) آواز بڑ بڑاتے ہوئے شزا کے منہ میں فیڈ ٹھونسنا تھا۔ بھابی ایک کپ چائے بنا دیں۔ ”ٹک ٹک پہلے دروازہ بجا تھا اور پھر شانی کا چہرہ مع فرمائش نمودار ہوا۔ بڑی بھابی سے کہہ دو۔“ وہ تو دعا کی میڈیسن لینے گئی ہیں۔ فیور ہو رہا تھا اسے۔ اچھا آرہی ہوں۔“ لہوں پر گئی جملے آتے آتے رک گئے۔ اندر ہی اندر جلتے ہوئے اس نے کچن کا رخ کیا۔ لاؤنج میں ہنوز محفل جمی ہوئی تھی۔ اپنی دوعد بہنیں تو نظر ہی نہیں آتیں اور اس نازنین کے ہاتھوں کی مہندی تو اب جانے کب اترے گی۔ چائے کا پانی چوبلے پہ رکھا ہی تھا کہ روپی نے کچن میں جھانکا – میں چائے کا کپنے آئی تھی ساتھ ننگس ٹل لینا اور آجاؤ تم بھی ، لاؤنج میں خوب محفل گرم ہے۔ وہ کہہ کر غائب ہوگئی۔ کوچی اب کہاں کا آرام – ”دو کی بجائے (xaxa) کپ بنا کر لاؤنج میں آئی۔ محفل خوب عروج پر تھی ہنی مون پہ جانے کا پروگرام فائنل ہو رہا تھا اور جب اس نے سنا کہ نارن کاغان جانے کا پروگرام بن رہا ہے اس کا تو دماغ ہی کھول اٹھا تھا۔ اپنے ادھورے تشنہ خواب خوب انگڑائی لے کر بیدار ہوئے تھے۔ کچھ سنا آپ نے نارن کاغان کی سیر کے پروگرام بن رہے ہیں اور ہماری دفعہ تو آپ کی امی کو بھنی مون کا مطلب ہی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ کیا آپ ان کے اکلوتے تھے جنہیں خوب پلو سے باندھ باندھ کر رکھا یہ ساری پابندیاں اصول قاعدے ہمارے لیے ، باقی تو عیشیاں کرتے پھر رہے ہیں۔“ ٹائید کا غصہ کسی طور کم نہیں ہو رہا تھا۔ کتنی خواہش تھی اس کی پہاڑوں کی سیر برف باری کا موسم اور خوب صورت نظاروں کو قریب سے دیکھنے کی لیکن ساس نے کہہ دیا کہ وہ تو ان علاقوں میں جانے کی اجازت نہیں دیں گی – اور اب بھانجی کو کھلی اجازت تھی – امریکن پلس جو تھی ، اب بہو جو جینز ٹاپ میں گھوم رہی ہے تو ابو کے خاندانی وقار پر کوئی حرف نہیں آ رہا اور میں نے جو چوڑی دار پاجامہ پہن لیا تھا تو کہہ دیا ہمارے گھرانوں میں عورتیں ایسا لباس نہیں پہنتیں (xaxa) ٹائید کا ایک ایک ٹانگا ادھر رہا تھا ، ساری پرانی باتیں یاد آرہی تھیں – ’n\‘ اسے تو شادی کے ایک ہفتے بعد ہی سونے ، جاگنے کے اوقات رواج ، اصول قائد لکھا پڑھا دیے گئے تھے اور پھر اسے بھابی کے نقش قدم پر چلنا تھا اور بھا بھی جو تھیں۔ اللہ میاں کی گائے مجال ہے جو پیشانی پہ بل بھی پڑ جائے یا کسی کام میں پیچھے رہ جائیں (xaxa) سلمی جیسی بہو تو قسمت والوں کو ملتی ہے۔ اس کی وجہ یہ کہ روحی کی شادی بھابی کے بھائی سے ہوئی تھی تو وہ ایک دوسرے کا بہرم سنبھالے بیٹھی تھیں شادی کے ابتدائی دنوں میں وہ بڑی خوش ہوتی تھی کہ چلو ڈائینگ ٹیبل پر کھانا لگتا ہے دو تین ڈشس بنتی ہیں۔ میٹھے میں بھی ضرور ایک ڈش ہوتی ہے اور بعد میں جب یہ مشقت طلب کام خود کرنا پڑا تو اسے جی بھر کر کوفت ہوئی۔ وہ تو سمجھ رہی تھی کہ ابھی گھر میں مہمان وغیرہ موجود ہیں یا پھر وہ نئی نئی دلہن ہے تو شاید اس کے اعزاز میں یہ سب اہتمام کیا جاتا ہے لیکن کھانے کی میز پر دو افراد کیوں نہ ہوں۔ ڈش میں چاول، ڈونگوں میں سالن سیلٹ ، رائتہ اور میٹھے کا ڈونگ، کٹوریاں الگ۔ اتنے برتن دیکھ کر اسے جو ابال اٹھتے وہ الگ کہانی تھی۔ نصرت بیگم کو صبح سات بجے ناشتہ چاہیے اور یہ ذمہ داری اس کی تھی۔ اس وجہ سے صبح دیر تک سونے کی عیاشی ختم – پھر بڑی نند نے پوچھ لیا سلائی آتی ہے۔ اس نے جھٹ نفی میں گردن ہلائی کہ یہ تو آ بیل مجھے مار والا معاملہ تھا۔ لیکن روحی تو کہہ رہی تھی تم نے کورس کر رکھا۔ پر بعد میں پر ٹیکس نہیں کی تو بھول گئی۔ ”اس نے بمشکل جان چھڑائی لیکن نازی کو اپنی منوانے کی عادت تھی۔ تو اس میں کیا مشکل ہے۔ گڑیا اور کرن کے (xaxa) کپڑوں پر پریکٹس کر لینا۔“ نہ صرف مشورہ دیا بلکہ اگلے روز د و شاپر بہیہجوا دیے – اب وہ بڑی خوش تھی کہ چلو چار دن ائمہ بھی میں عیش کر لے – پھر وہ دو پھر کا کھانا اور صبح کے برتن اس کے ذمے لگا ئیں گی مگر وہ تو اماں کی بھانجی تھی نا وہ بھی امریکن پلٹ۔ ہنی مون سے واپس آ کر بھی اس کے ہاتھوں کی مہندگیلی ہے رہی – نہ اس سے میٹھا چٹوائی کی رسم ہوئی اور نہ اس نے کسی کام کو ہاتھ لگایا۔ اور نہ ہی اس پر کوئی ذمہ داری ڈالی گئی۔ ساس نے مہمان مہمان کہہ کر اس کا بہرم بنائے رکھا۔ دونوں بہنیں اپنے سسرال سدھاریں تو کچھ روٹین سیٹ ہوئی تھی۔ اب سارا دن گھر کے کام وہ اور بھابی مل کر نمٹا لیتی تھیں۔ لیکن اس نے ساس کو ہمیشہ بھی بھابی کا طرف دار دیکھا تھا۔ ہر آنے گئے کے سامنے ان کی تعریفوں کے پل ہوتے۔ خاندان میں کوئی تقریب ہو یا شادی ہر جگہ بھابی کو ساتھ لے کر جاتیں۔ بھائی کے بچوں کے کپڑے برانڈ اور بوٹیک سے لیے جاتے اور اسے عام سے بازار سے لا کر دے دیتیں کہ بھابی کامیاں یونان میں سیٹ تھا اور زیادہ کماتا تھا۔ جب سے روشن امریکہ گیا تھا۔ گھر میں سب کے خرچے لگا دیے گئے تھے کہ گھر میں تینوں بھائیوں نے دینے ہیں۔ اب ساس کی نا انصافیاں کھانے کی تھیں۔ شایان سب دیکھ رہا تھا مگر کیا کرتا وہ یونان سے ڈی پورٹ ہو کر آچکا تھا یہاں کوئی ڈھنگ کی نوکری نہیں مل رہی تھی۔ اس نے شانی سے بات کی تو اس نے اپنے رونے شروع کر دیے تھے پھر ادھر کی باتوں کے بعد یقین دلایا کہ وہ سیٹ ہوتے ہی اسے بلانے گا۔ لیکن لگتا تھا اس کا اگلے دس سال بھی سیٹ ہونے کا کوئی امکان نہیں کیونکہ وہ ابھی خود اپنے سسر کے زیر کفالت تھا۔ شایان نے ایک دوست سے پیسوں کا بندو بست کیا۔ کچھ ٹائید کے گھر والوں نے ارینج کروا دیا تھا اور دبئی چلا گیا۔ بھائیوں اور ماں سے اس کا دل بہت بدظن ہوا یونان سے سات سال اس نے کما کر جو بھیجا تھا۔ وہ

کھانے پینے کی نصرت بیگم نے دونوں لڑکیوں کو ٹرک بھر کر جبیز دے دیا تھا یا پھر اپنے جوڑے، زیور اور عیاشیوں میں اڑا دیا تھا۔ شایان نے سوچ لیا تھا اب وہ گھر پیسے نہیں بھجوانے گا۔ اور جب اس نے گھر پیسے نہیں بھجوائے تھے تو اب ایک نیا محاز کھل گیا تھا۔ کام والی جانے خود چھوڑ گئی تھی یا نصرت بیگم نے ہی انے سے منع کر دیا تھا۔ ائمہ کے گھر انے والی پہلی خوشی سے سارا گھر خوش تھا جیسے اس گھر میں پہلا بچہ انے والا ہو۔ اس کو تو ساس نے ہتھیلی کا چھالا بنا رکھا تھا۔ ہر کام کے لیے اب اسے ہی آواز لگتی تھی جب بھی کام کا ٹائم ہوتا بھابھی اپنا پھیلاوا پھیلا کر بیٹھ جاتی تھیں بھی الماری سیٹ کرنے لگ جاتیں یاں بچوں کو پڑھانے بیٹھ جاتیں یا محلے کے دورے پر نکل جاتیں۔ ابھی بھی شام کے برتن دھو کر وہ کمرے میں جانے کا سوچ ہی رہی تھی جب ائمہ کی آمد ہوئی۔ بھابھی مجھے مینگو ملک شیک بنا دو۔ کھانا تو مجھے سے کھا یا ہی نہیں جارہا۔ عجیب سی طبیعت ہو رہی ہے۔ ”فریج میں دودھ اور مینگو موجود ہیں اور بلینڈر وہاں رکھا ہے۔ وہ کہہ کر کچن سے نکل آئی تھی غصے سے اس کا تیرہ سرخ پوربا تھا چلو ساس کے اضافی کام تو وہ کر دیتی تھی اب کیا ہر کسی کی نوکر بن جائے وہ بھی گھر کی بہو ہے اس کو بھی اپنی ذمہ داریوں کا خیال کرنا چاہیے تھا۔ ہر کون سی ذمہ داریاں ؟؟ نصرت بیگم نے تو اس پر کوئی ذمہ داری ڈالی ہی نہیں۔ تو کیا وہ اتنی بیوقوف تھی۔ اسے خود یہ حیرت ہوئی اور اگلے ہی لمحے اس نے فیصلہ کر لیا کہ اسے اپنے حق کے لیے انگلی ٹیڑھی کرنی پڑے گی۔ پھر اگلے روز وہ بھی آرام سے دیر تک سوئی تھی۔ اٹھ کر کچن میں جھانکا گھر کے سب افراد ناشتہ کر چکے تھے سوائے ائمہ کے وہ شاید اس کے اٹھنے کا انتظار کر رہی تھی۔ لیکن اس نے بھی اپنا اور سزا کا ناشتہ بنایا اور گھر کے کمرے میں چلی آئی یہ برتنوں کے ڈھیر کو نظر انداز کرتے ہوئے اس نے محض اپنے برتن دھوئے تھے۔ اور پھر تو گویا یہ سلسلہ ہی چل نکلا تھا۔ ایک ایک کر کے اس نے سارے کاموں سے ہاتھ کھینچ لیا تھا۔ گھر میں کوئی بھی نہ بولا اس لیے کہ جب ماسی نکالی ہے نصرت بیگم نے تو پھر سب اپنا اپنا کام خود کریں۔ ثانیہ کے دن بھی پھرنے والے تھے کیونکہ اس کے شوہر نے دہلی میں قدم جمانے کے بعد اپنی فیملی کو دہلی بلوانے کا فیصلہ کر لیا۔ نصرت بیگم نے خوب واویلا مچایا پرانکی ایک نہ چلی۔ ائمہ کی زندگی کے بھی سنہرے دن اب نصرت بیگم کو بوجہ لگنے لگے۔ بڑی بھابھی اپنے موڈ کی تھیں ثانیہ کے جاتے ہی انہوں نے بھی اپنا کچن الگ کر لیا۔ یوں گھر کی ساری ذمہ داری اب نصرت بیگم کے سر آ گئی۔ ائمہ کوئی کم نہ کرتی تھی نہ اس کو عادت تھی۔ گھر پر وقت گندا رہنے لگا۔ نندوں کو بھی پروٹوکول ملنا بند ہو گیا آخر ان کی خدمت اب کون کرتا ثانیہ تو تھی نہیں۔ یوں جہاں ثانیہ کی زندگی میں دہلی آ کر سکون آیا وہیں نصرت بیگم الجھ گئیں۔ اب ان کو رہ رہ کر ثانیہ کی قدر آ رہی تھی کہ xaxax انہوں نے ثانیہ کی پرواہ نہ کی۔ ثانیہ کی شوہر نے ہی اپنی بہنوں کی بھی شادیاں کیں لیکن ثانیہ نے آج تک نہ جتلیا تھا۔ بیٹا بیروزگار کیا ہوا نصرت بیگم نے تو آنکھیں ماتھے پر رکھ لیں گویا وہ ہمیشہ سے مفت کی روٹیاں توڑتا آیا ہے۔ ثانیہ کی قدر نصرت بیگم کو بہت دیر سے آئی۔ ثانیہ نے گڑیا اور کرن کو اسکول ڈالا اور خود بھی ٹیچنگ کر لی۔ زندگی اور آسودہ ہو گئی۔ دونوں میں بیوی مل کر کمانے لگے۔ نصرت بیگم بس آہ بھرتی رہ گئیں کہ انہوں نے بیرے کی قدر نہ کی